تحریک خلافت مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کے آئینے میں

مظہر اقبال، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی

Abstract

In this article it is discussed that Molana Zafar Ali Khan, a great political leader and poet, wrote many revolutionary poems to urge the whole nation to raise its anger against the British rule and create an atmosphere in favour of the Khilafat Movement.

بیسویں صدی کا آغاز ہندوستان میں سیاست کے نئے رجحانات سامنے لے کر آتا ہے مختلف تحریکوں اور تنظیموں کی صورت میں سیاسی منظر نامہ تغیر وتبدل کے ساتھ ''برطانوی استعمار'' سے آویزش کی جڑ پکڑتا نظر آتا ہے۔ اس عہد میں شملہ وفد، تقسیم بنگال، مسلم لیگ کا قیام سودیشی تحریک وغیرہ جیسے اہم واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، ہندوستان میں مجموعی طور پر بیداری کی لہر ابھرتی دکھائی دیتی ہے، اسی اثناء میں برطانوی استعمار ایشیاء میں اپنی پوزیشن مزید مستحکم کرنے کے لیے کوشاں دکھائی دیتا ہے۔ ہندوستان میں سیاسی بیداری مغربی استعمار کے اِس بڑھتے ہوئے استبداد کو کڑی اور تنقیدی نظر سے دیکھ رہی ہوتی ہے۔ اس سے پہلے انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں قحط نے ہندوستان میں ہلاکتوں اور افلاس کے وہ نقشے مرتب کیے ہوتے ہیں کہ ''برطانوی راج'' کی انسان دوستی اور بندہ پروری کا بھرم کھل چکا ہوتا ہے۔ دہلی میں ملکۂ وکٹوریہ کے دربار کے انعقاد کے وقت ہندوستان کی معاشی ابتری اپنی انتہا کو چھو رہی ہوتی ہے۔ وہ طبقہ جو شعور کی نئی جہتوں سے واقفیت پا رہا تھا، اُسے انقلاب فرانس، امریکہ کی جنگ آزادی، اٹلی اور آئرلینڈ کے لوگوں کی قومی جدو جہد اور اِس کے نتائج، نئی سیاسی اور جمہوری قدروں اور کاوشوں سے ہمکنار کرتے ہیں، اس عہد میں ایسے ادیبوں کا مطالعہ ہو رہا تھا جس سے آزادی کی خواہش دل میں اُبھرنے والی خواہشوں میں سب سے ممیّز اور ممتاز خواہش بنتی جا رہی تھی۔

''البرٹ بل'' کی ہندوستانیوں کی طرف سے کھلی حمایت اور اظہار تشکر مغربی فوقیت کو پسند نہیں آتا اور مساوات و برابری کے اس بل کی یورپین طبقے کی طرف سے مکمل مخالفت کی جاتی ہے یوں ہندوستانیوں کے ذہن میں اس تصور کو اور پختہ کر دیا جاتا ہے کہ وہ تمام اخلاقی اور کرداری خوبیوں کے باوجود بھی نسلی طور پر یورپ کے کبھی برابر نہیں ہو سکتے، حالات جس نہج پر استوار ہو رہے تھے اس سے ملک میں بے چینی اور اضطراب کی فضا بڑھتی جا رہی تھی، تقسیم بنگال اور پھر تنسیخ تقسیمِ بنگال نے ہندوستان کی سیاست میں تحرک پیدا کر دیا تھا، اسی دوران ۱۹۱۲ء میں چھڑنے والی ''جنگ بلقان'' نے ہندوستان میں مزید بے چینی پیدا کر دی۔ انگریز ''ترکی'' کو سیاسی طور پر اُلجھائے ہوئے تھے اور

اِسے اپنے مذموم مقاصد کی بھینٹ چڑھا رہے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر ترکی سے عقیدت واحترام اور مذہبی وابستگی کا عنصر قطعاً کسی ایسے اقدام کو برداشت نہیں کرسکتا تھا جس سے اِن کے مرکزِ عقیدت پر آنچ آتی ہو،لیکن انگریز سرکار نے وعدوں کی پاسداری نہ کرتے ہوئے ترکی سے اشقا کی کارروائیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔اس طرف مزید آگے بڑھنے سے پہلے ہم اِس صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں جو اس انتشار اور عناد کی بڑی وجہ ثابت ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) میں ترکی نے برطانوی اتحاد کے حریف اور جرمنی اتحاد کے حلیف کا کردار ادا کیا،جرمن اتحاد میں،جرمنی،آسٹریا،ہنگری اور بلغاریہ وغیرہ شامل تھے جب کہ برطانوی اتحاد، برطانیہ،فرانس بلجیم، یونان،سربیہ،اٹلی اور رومانیہ جیسی سلطنتوں پر مشتمل تھا۔ جنگ کے آغاز میں برعظیم کے مسلمانوں سے برطانوی حکومت نے فتح کی صورت میں ''ترکی'' کوزک نہ پہنچانے کی یقین دہانی کرائی تھی اور یوں ہندوستانیوں سے اس پہلی جنگ عظیم میں تعاون حاصل کیا تھا۔لیکن اس جنگ میں فتح کے آثار کے ساتھ ہی برطانیہ کا رویہ ترکی کے ساتھ انتہائی جارحانہ ہوگیا تھا اور اس نے ترکی کے حصے بخرے کرنے شروع کر دیے تھے۔ جنگِ عظیم سے دو سال پہلے ہی ہندوستان میں برطانوی اور ترکی تناؤ کو تشویش کی نظر سے دیکھا جارہا تھا۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''شبلی اپنی زندگی کے آخری برسوں میں تھے کہ ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان چھڑ گئی،اس میں انگریز چونکہ
> ترکی کو اپنی سیاسی بساط کا مہرہ بنانا چاہتے تھے،ہندوستان کے مسلمانوں میں سخت بے چینی پھیل گئی،
> انگریزوں کی ان ریشہ دوانیوں کے خلاف ہندوستانی لوگ آتش فشاں پہاڑ کی طرح اُبلنے لگے۔''[۱]

یعنی جنگِ عظیم کے آغاز سے پہلے ہی برطانیہ کا ترکی کے خلاف معاندانہ رویہ عیاں تھا، بہرحال عالمی جنگ کے نتائج برطانوی اتحاد کے حق میں آنے سے ترکی پر جنگ کا سارا نزلہ گرانے کی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی،ترکی کے ہاتھ سے کئی علاقے نکل گئے مقاماتِ مقدسہ تک کو سخت خطرہ لاحق ہوگیا،کئی مقدس مقامات برطانیہ کے زیرِ تحویل آگئے،۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو ''سمرنا'' کے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور اِن کی جائیدادیں ہتھیالی گئیں،سید حسن ریاض کے مطابق:

> ''ادھر فرنگیوں نے قسطنطنیہ پر نہایت ظالمانہ انداز میں فوجی قبضہ کیا جسے کیپی چوئیشن
> "CAPITUATION" کہتے ہیں اس میں فاتح فوج کو مفتوح عوام کے نجی سکونتی مکانات پر
> تصرف کا پورا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔''[۲]

اِن حالات نے ترکی کو بے بسی اور مجبوری کی کیفیت سے دوچار کر دیا تھا، برطانیہ نے محض اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ۱۹۲۰ء کے ''معاہدے سیورے'' یا ''میثاق سیورے'' کے تحت سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کے اِس کی مرکزی،سیاسی اور مذہبی حیثیت کو بھی ختم کر دیا،اِن تمام واقعات نے برصغیر کے مسلمانوں میں وہ اشتعال پیدا کیا جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اِس مرحلے پر مسلمانوں کو جس صدمے سے دوچار ہونا پڑا وہی صدمہ ''تحریک خلافت'' کی صورت ایک نئے اور تعمیری رُخ میں سامنے آیا،ایک تو یہ سلطنت مسلمان سلطنت تھی لیکن صرف یہی وجہ ہندوستان

میں برطانوی مخالفت کا باعث نہیں تھی اصل سبب ترکی کا وہ رُتبہ تھا جو مذہب نے اسے مرکزیت کی صورت میں عطا کیا تھا۔ لہٰذا ڈاکٹر اشتیاق قریشی کے مطابق، یہ کرب، یہ کسک اور یہ درد اِس لیے بھی تھا کہ ترکی کی قسمت برعظیم کے مسلمانوں کے لیے ایک مذہبی حیثیت اختیار کر گئی تھی جس کا دوسرا نام خلافتِ عثمانیہ تھا۔[۳] عالم اسلام اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ترکی کی یہ مرکزی حیثیت مسلمانوں کی تقویت اور عظمت کی دلیل تھی اور وہ اِسے کسی قیمت پر تحلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لہٰذا جتنا بڑا واقعہ تھا ردّ عمل بھی اتنا ہی بڑا سامنے آیا، تمام اسلامی حکمران اس سلطنت سے اپنی حکومت کے لیے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری بھی سمجھتے تھے اور اسے مذہبی اور قانونی حیثیت بھی دیتے تھے۔ ٹیپو سلطان تک نے عثمانی خلیفہ سے اپنی حکومت کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ اشتیاق حسین قریشی کے بقول:

> ''مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد'' آہستہ آہستہ تمام برعظیم میں خطے کے اندر سلطان ترکی کا نام دنیائے اسلام کے خلیفہ اور حکمران کی حیثیت سے شامل ہونے لگا تھا۔''[۴]

مسلمانوں کے لیے ترکی کا یہ حشر قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا اور انگریزوں کے خلاف اِن کا عدم اعتماد اور بڑھ گیا تھا کیونکہ برطانیہ ترکی کو نقصان نہ پہنچانے کے وعدے پر قائم نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں سے لائیڈ جارج (LLOYD GEORGE) کا کیا ہوا یہ وعدہ انہیں بھولا نہیں تھا، اِس عہد شکنی نے مسلمانوں کو سخت مایوس کیا۔

> ''اور نہ ہم اِس لیے جنگ کر رہے ہیں کہ ترکیہ کو ایشیائے کوچک اور تھریس کی اس زرخیز اور مشہور سرزمین سے محروم کر دیں جس کی آبادی اکثریت کے ساتھ ترکی النسل ہے۔''[۵]

ہندوستان میں جب اِن وعدہ خلافیوں اور برطانوی بربریت اور جبریت کے خلاف شدید مسلم رَدعمل سامنے آیا تو سیاسی رہنماؤں کو نظر بند کر دیا گیا۔ اور پریس ایکٹ کے تحت الہلال، ہمدرد زمیندار وغیرہ کی ضمانتیں ضبط کر دی گئیں، ''برطانوی سامراج'' کے خلاف یہ ردعمل ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کے قیام کے ساتھ صحیح معنوں میں منظّم طور پر سامنے آیا، اور فرنگیوں کے خلاف سخت ترین حکمت عملی اپنانے کی پالیسی اختیار کی گئی، یہاں تک کہ انگریزی حکومت کی سختی اور تشدّد کے نتیجے میں ولایتی مال کے بائیکاٹ تک کا فیصلہ کر لیا گیا، مولانا محمد علی جوہر نے سیاسی اور سفارتی سطح پر اُس وفد کی نمائندگی کی جو برطانوی وزیر اعظم سے ترکی کی صورتحال سے متعلق بات چیت کے لیے انگلستان گیا مگر یہاں سے ناکام لوٹا، یوں تحریک خلافت میں اور شدّت آ گئی، علی برادران، حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں اس تحریک میں نمایاں حیثیت سے سامنے آ گئے، گاندھی جی بھی اس تحریک میں شریک ہوئے اور سیاسی قیدی بنے، ''خلافت'' کے قائدین نے پورے ہندوستان میں طوفانی دورے کر کے فضا کو اُن مظالم سے سوگوار کر دیا جو برطانیہ نے ترکی کے خلاف روا رکھے تھے، ہندو مسلم سب اس تحریک میں شامل تھے اور برطانوی استبداد کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے درپے تھے، راجند پرشاد کے مطابق سرکاری تعلیم گاہوں، سرکاری خطابوں اور سندوں، کونسلوں اور عدالتوں کا بائیکاٹ کیا جا رہا تھا۔[۶] مالابار کے موپلوں کی بغاوت نے اِس تحریک میں تشدد اور جنگ آرائی کا عنصر شامل کر دیا تھا رَدعمل کے طور پر موپلوں کو جس وحشت سے کچلا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ رئیس احمد جعفری اِس صورتحال کو یوں پیش کرتے ہیں:

''یہ زمانہ تھا طوفان کا، حوادث کا، انقلاب کا، ایسا طوفان جس نے ملک کے طول و عرض میں طلاطم برپا کر دیا، ایسے حوادث کا جنھوں نے رونما ہو کر ملک کی سیاست میں ایک نئی زندگی، ایک نئی تڑپ اور ایک نیا اُبھار پیدا کر دیا، ایسے انقلاب کا جس نے بلند کو پست اور پست کو بلند کر دیا......جس نے حکومت کا رُعب ختم کر دیا۔ جس نے پولیس کی لاٹھیوں اور فوج کی گولیوں کا ڈر دل سے نکال دیا، جس نے جیل خانوں کو نشاط خانہ اور پھانسی کے تختے کو زندگی بنا دیا۔''[۷]

اِس تحریک نے ہندوستان کی سیاست پر انمٹ نقوش چھوڑے، چوراچوری کے واقعے کے بعد اس تحریک کو گاندھی جی نے بند کر دیا، اِن کے گرفتار ہونے اور خود ترکی میں خلافت کے خاتمے نے اِس تحریک کا زور کم کر دیا، لیکن ترکِ موالات اور دیگر سیاسی و تاریخی واقعات نے ''برطانوی راج'' کی جڑیں ہندوستان کے اعتبار سے ہلا کر رکھ دیں۔ مولانا محمد علی جوہر اپنی شاعری سمیت اس تحریک پر چھائے رہے

مولانا محمد علی جوہر کی طرح مولانا ظفر علی خاں انگریز دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے یاد رہے یہ ان کا ذاتی تعصب نہیں تھا بلکہ انگریز کی وہ فرعونیت تھی جس کا اظہار وہ ترکی کے معاملے میں کر چکا تھا۔ مولانا ظفر انگریزوں کو ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کا بدترین دشمن سمجھتے تھے انھوں نے اپنی نظموں غزلوں میں ''تحریک خلافت'' کے اُبھار اور ترقی کے لیے نادر خیال اور جوشیلے مضامین پیش کر کے اِسے ہندوستان کی سب سے بڑی مذہبی اور سیاسی تحریک بنا دیا، مولانا ظفر علی خاں اِس تحریک کے سب سے پُر جوش رُکن اور شاعر تھے، یہ عملی سیاستدان بھی تھے۔ ''زمیندار'' کے صفحات ''استعمار دشمنی'' میں ظفر کی تحریروں کے باعث ہندوستانی سیاست کی فضا پر محیط تھے۔

مولانا ظفر علی خاں نے تحریک کے ہر ہر موڑ پر اپنے اشعار کے ذریعے اس میں نئی روح پھونک دی۔ اس تحریک کا سب سے موثر اور اہم مرحلہ ''عدم تعاون'' تھا، عدم تعاون، ترک موالات نے ''برطانوی زعما'' کو ہلا کے رکھ دیا تھا اور ہندوستانی سیاست میں ہندوستانیوں کی حیثیت واضح اور مسلّم ہو رہی تھی۔ بقول ڈاکٹر عابد حسین:

''عدم تعاون کے پروگرام نے ہندوستانیوں کے دل سے قنوطیت اور مغلوبیت دور کر کے اُن کے اندر یہ امید پیدا کر دی کہ ایک نہتی اور محکوم قوم بھی خودداری اور خود اعتمادی کی زندگی گزار سکتی ہے۔''[۸]

اسلامی جوش و جذبہ جس طرح ہندی مسلمانوں میں عود کر آیا تھا اُس نے فضا اور ماحول کو نئی امنگ نئی ترنگ اور نئے تحرک سے مملو کر دیا تھا۔ ظفر علی خاں اِس منظر پر سب سے نمایاں نظر آ رہے تھے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل رقم طراز ہیں:

''زمیندار میں ان کی تحریریں اور ان کی عملی کوششیں ان کو اس تحریک کا ایک فعال رکن ویسے بھی پیش کرتی تھیں، ان کی شاعری بھی اِن کے ساتھ ساتھ اس اجتماعی، شورش اور تحریک میں بھرپور حصہ لے رہی تھی۔''[۹]

''جنگ عظیم'' کے بعد ترکی پر برطانوی بربریت کے نتیجے میں اِس کے حصے بخرے ہونے لگے، مولانا ظفر

علی خاں نے اس پہلی سطح پر شکوہ و شکایت یا احتجاج کی صدا بلند کرنے کے بجائے اللہ کے حضور گریہ وزاری کی اور اس صورتحال سے عالم اسلام کی نجات کی دُعا کی۔ مگر جب انگریز مظالم بڑھتے گئے تو مولانا ظفر علی خاں کا لب و لہجہ بھی یکسر تبدیل اور شدید ہو گیا، اس ضمن میں اس تحریک سے متعلق ابتدائیہ کلام اِس نوعیت کا تھا:

خدایا تیرے گھر کی خاک اُڑائی جارہی ہے کیوں　　قیامت وقت سے پہلے ہی آئی جارہی ہے کیوں
بجائی جارہی ہے اینٹ سے کیوں اینٹ کعبے کی　　خلیل اللہ کی بنیاد ڈھائی جارہی ہے کیوں
اُڑائے جارہے ہیں کس لیے پُرزے خلافت کے　　رسول اللہؐ کی دولت لٹائی جارہی ہے کیوں
وہ تیغ اعدا کے سر پر جس کو بجلی بن کے گرنا تھا　　ہماری گردنوں پر آزمائی جارہی ہے کیوں [۱۰]

ان اشعار میں لب و لہجے کی تاثیر، طرزِ ادا کی شائستگی، حزن و ملال اور اداسی و بے کسی کی کسک نمایاں ہے۔ شدّت جذبات اور احساسات کی روانی متاثر کن ہے، لیکن یہاں احتجاج یا مزاحمت نہیں ہے۔ اسی طرز ادا اور انہی مضامین کو آگے بڑھاتے ہوئے ظفر علی خاں اللہ کے حضور دعا گو ہیں کہ اسے اللہ انہیں اپنی نصرت اور مدد بخش تا کہ یہ گھمبیر حالات سے بہ آسانی نکل سکیں اللہ کی ذات پر پختہ یقین اور شعائر اسلام سے لگاؤ ان اشعار سے مترشح ہوتا ہے۔

کر انصاف تو ہی کہ کیا یہ روا ہے　　ذلیل اس طرح امت مصطفیٰؐ ہے
معلق ہو کوہِ غم اسلامیوں پر　　مصیبت میں چھوٹا بڑا مبتلا ہو
برس جائے پھر تیری رحمت کا بادل　　پھر اسلام کا باغ یا ربّ ہرا ہو
ہے اس وقت کا منتظر گوش ملّت　　کہ نقارہ اسلام کا بج رہا ہو [۱۱]

ان اشعار سے فریاد و فغاں اور غیرت دینی و ایمانی کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت اور نصرت کو جوش دینے کا انداز سامنے آتا ہے۔ انگریز جب اپنی روش سے باز نہیں آتے اور ان کی پالیسیاں ''ترک کش'' اصول پر پیرا رہتی ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں:

تیشۂ یورپ سے جڑ انصاف کی کٹ ہی گئی　　انقطاع رشتہ مہر و وفا ہو ہی گیا
خوش ہو اے یورپ بر آئی تیری صدیوں کی امید　　مکہ قسطنطنیہ سے آخر جدا ہو ہی گیا [۱۲]

مولانا ظفر علی خاں نے یورپ کی دراز دستی اور بڑھتے ہوئے استعماری غلبے کو ہدف تنقید بناتے ہوئے طرابلس بلقان صورتحال پر شروع ہی میں ان اشعار کی صورت میں تبصرہ کر دیا تھا۔

بتا رہی ہے دراز دستی اطالیہ کی طرابلس پر　　کہ آج کشور کشا وہی ہے جسے ذرا مشق رہزنی ہے
ہوا ہے ایماں جہاں سے رُخصت اُٹھا ہے انصاف کا جنازہ　　جہاں میں چھا جائے گا اندھیرا یہ تو یورپ کی روشنی ہے [۱۳]

پہلی جنگ عظیم اور روس کے انقلاب نے محکوم دنیا میں یہ تاثر پیدا کر دیا تھا کہ انقلابات آزادی کا قفل کھول سکتے ہیں لہٰذا ان رجحانات کا اثر ہندوستان کے ادب اور سیاست دونوں پر ہو رہا تھا، مولانا ظفر علی خاں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

آرہی ہے باغِ گیتی میں بہارِ انقلاب　　کھب گیا آنکھوں میں رنگ لالہ زار انقلاب

جان استعمار بھینچی جارہی ہے ہند میں　　کس بلا کا روح فرسا ہے فشارِ انقلاب [۱۴]

ظفر علی تحریک خلافت اور اس عہد کے دیگر واقعات مثلاً کانپور کی مسجد کا سانحہ وغیرہ کے لحاظ سے صفِ اوّل کے نمایاں تر فرد اور ہندوستان کو درپیش سیاسی صورتحال کے ترجمان تھے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے مطابق ''یاس وقنوط کی اس تاریک فضا میں ظفر علی خان ؛لاتقنطو من رحمتہ اللہ: کی مشعل لے کر جہادِ آزادیِ وطن کے لیے سینہ سپر ہو جاتے ہیں،، [۲۸] اسی ضمن میں کی گئی شاعری اُردو ادب میں مقصدیت اور ترقی پسندانہ رُجحان کی حامل ٹھہرتی ہے۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مولانا کی شخصیت اور شاعری دونوں عصری تقاضوں سے مکمل طور ہم آہنگ نظر آتی ہیں۔

حواشی:

۱۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ہندوستان کی تحریک آزادی اور اُردو شاعری، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ص: ۳۳۵

۲۔ حسن ریاض، سید، پاکستان ناگزیر تھا، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص: ۸۵

۳۔ اشتیاق حسین، قریشی، ڈاکٹر، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص: ۳۵۳

۴۔ ایضاً، ص: ۳۵۲

۵۔ پٹا بھائی سیتا رامیا، ہسٹری آف دی انڈین نیشنل کانگرس، بمبئی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۸۹

۶۔ راجندر پرکاش، اپنی کہانی، نئی دہلی، ۱۹۶۱ء، ص: ۲۴۳

۷۔ رئیس احمد جعفری، قائد اعظم اور ان کا عہد، کراچی، ۱۹۴۷ء، ص: ۹۹، ۱۰۰

۸۔ عابد حسین، ڈاکٹر، قومی تہذیب کا مسئلہ، علی گڑھ، ۱۹۵۵ء، ص: ۳۵۵

۹۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، تحریکِ آزادی میں اُردو کا حصہ، ص: ۲۹۲

۱۰۔ ظفر علی خان، مولانا، فغانِ درویش، مشمولہ حبسیات، کلیاتِ ظفر علی خان، (لاہور: الفیصل غزنی سٹریٹ، ۲۰۰۷ء)، ص: ۲۶

۱۱۔ ظفر علی خان، مولانا، حجتِ منتظر کا انتظار، مشمولہ نگارستان، ۵۷ھ۶۶۲ حوالہ مذکور ص: ۸۵

۱۲۔ بہارستان، مشمولہ کلیاتِ ظفر، ص: ۱۸۳

۱۳۔ نئی صلیبی جنگ، مشمولہ بہارستان، کلیاتِ ظفر، ص: ۱۶۲

۱۴۔ نگارستان، مشمولہ کلیاتِ ظفر، ص: ۹۳

ماخذ:

۱۔ اشتیاق حسین، قریشی، ڈاکٹر، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، کراچی، ۱۹۶۷ء۔

۲۔ رئیس احمد جعفری، قائد اعظم اور ان کا عہد، کراچی، ۱۹۴۷ء۔

۳۔ ظفر علی خان، مولانا، حجتِ منتظر کا انتظار، مشمولہ نگارستان، ۵۷ھ ۶۶۶۔

۴۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خان، حیات؛ خدمات و آثار، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء۔

۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ہندوستان کی تحریک آزادی اور اُردو شاعری، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔

۶۔ مجاور حسین، سید، اُردو شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر، لکھنو، اتر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۸۵ء۔

☆☆☆